روس میں پان ترکزم اور اسلام[1]

تلخیص و ترجمہ

اسماعیل بے گسپرنسکی

یہ وہ وقت ہے جب نئی سی تعلیم پائے ہوئے کریمیا کے ایک تاتاری اسمٰعیل بے گسپرنسکی آگے آتے ہیں اور وہ تاتاریوں کی تعلیمی ترقی، انکے قومی احساسات کی بیداری کے علمبردار بنتے ہیں۔ انیسویں صدی میں روسی ترکوں کی تاریخ میں گسپرنسکی (۱۸۵۱ء - ۱۹۱۴ء) کی شخصیت سب سے ممتاز ہے انہوں نے کریمیا اور ماسکو میں تعلیم پائی تھی بعد میں وہ استنبول میں رہے۔ اور وہاں سے پیرس گئے۔ ان دو شہروں کے قیام نے ان کی بعد کی سرگرمیوں پر جو آزادی پسند (لبرل) قوم پرستانہ جذبات سے بھرپور تھیں گہرا اور پائدار اثر ڈالا۔ گسپرنسکی پر سلاوزم[2] (اتحاد سلاو) اور فرانس کے تاثرات کے علاوہ ہم عصر عثمانی ترکی کی دو فکری تحریکوں کا بڑا اثر پڑا۔ ایک تو نوجوان عثمانی ترکی تحریک، جس کے بانی نامق کمال، شناسی اور ضیا پاشا اہل قلم تھے۔ یہ تحریک تنظیمات (۱۸۴۰ء - ۱۸۸۰ء) کے اصلاحی دور میں ابھری تھی، اور دوسری فکری تحریک جس نے ۱۸۶۰ء ۱۸۷۰ء میں

لہ یہ اس مضمون کی دوسری قسط ہے۔ اور یہ ملخص ہے (Pan Turkism & Islam in Russia) نام کی کتاب سے جو امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے "روسی ریسرچ سنٹر" کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مصنف سرجے، اے، زنکووسکی ہیں۔ کتاب کا سن طباعت ۱۹۶۰ء ہے۔ روس کے مسلمان ترکوں کی علمی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں پر ۱۹۲۰ء تک بڑی تفصیل سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔ (مدیر)

ٹہ خاص روس کے باشندے سلاوٗ نسل سے ہیں۔ اور ایک زمانے میں ان کے ہاں اتحاد سلاو کی تحریک چلی تھی، جسے "سلاوزم" کہتے تھے۔ (مدیر)

استنبول کے نوجوان دانش وروں کو متاثر کیا اور جو اسماعیل بے گسپرنسکی کے لئے بھی منبعِ فیضان بنی، پان اسلامزم تھی یا آخر الذکر تحریک سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۹ء - ۱۸۹۷ء) کی تخلیق تھی۔

کریمیا میں واپس آنے کے بعد اسماعیل بے گسپرنسکی نے پہلے تو درس و تدریس کی سرگرمیاں شروع کیں اور ۱۸۸۱ء کے بعد انہوں نے سید جمال الدین افغانی کی ہدایات کے مطابق روس کے تمام مسلمانوں کو متحد کرنے کے پروپیگنڈے کا آغاز کیا۔ ۱۰ اپریل ۱۸۸۳ء کو ان کے اخبار "ترجمان" کا پہلا پرچہ نکلا۔ گسپرنسکی کے اس اخبار نے تقریباً پچیس سال تک روسی ترکوں کے ذہن کو بنانے میں مدد دی۔ موصوف کی علمی صلاحیتیں صرف درس و تدریس اور صحافت تک ہی محدود نہ رہیں، بلکہ وہ سب سے پہلے اور سب سے نمایاں ایک قومی اور سماجی رہنما تھے۔ وہ روس کے مختلف مسلمان صوبوں میں مدارس قائم کرتے اور اپنے ہم وطنوں کو متحد کرنے کے لئے قلم کے ساتھ ساتھ اپنی زبان سے بھی کام لیتے۔ غرض ۱۸۸۰ء - ۱۸۹۰ء میں گسپرنسکی روس میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز اور سب سے زیادہ بااثر ترک لیڈر تھے، اور اس کے علاوہ بیرونی ملکوں میں ان کی بات غور و توجہ سے سنی جاتی تھی۔

نظریاتی اسماعیل بے گسپرنسکی اگرچہ تمام دنیائے اسلام کے اتحاد کے حامی تھے، لیکن عملاً ان کی دعوت روس کے تمام مسلمانوں کو متحد کرنے کی تھی، لسانی وجہ سے قدرتاً ان کی یہ دعوت روس کے تمام ترکوں کے اتحاد کی بن گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ترکوں کو قرون وسطیٰ کی نفسیات سے نکال کر جدید یورپی ثقافت کے دائرے میں بھی لانا چاہتے تھے۔ وہ مسلمان عورتوں کی آزادی کے حامی اور مسلمانوں کی سماجی زندگی میں بعض اصلاحات کے داعی تھے۔ لیکن وہ اسلامی ثقافت کے بھی مؤید تھے چنانچہ ایک طرف جہاں ان کا یہ اصرار تھا کہ اسلامی مدارس میں ترکی زبان پڑھائی جائے، وہاں وہ اس کی ضرورت بھی محسوس کرتے تھے کہ عربی جو قرآن مجید اور اسلامی ثقافت کی زبان ہے، اس کی بھی تعلیم ہو۔ البتہ وہ عربی گرامر کی فارسی میں لکھی ہوئی پرانی درسی کتابوں کے بجائے استنبول کی شائع کردہ ترکی زبان میں لکھی ہوئی عربی گرامر کی کتابیں پڑھانے پر زور دیتے تھے۔

مسلمانوں کے ثقافتی اتحاد کی اپنی اس جدوجہد میں گسپرنسکی روس کے اسلامی مدارس اور اس کی صحافت کے لئے عثمانی سلطنت کی ترکی زبان کو ادبی زبان بنانا چاہتے تھے چنانچہ ان کا اخبار "ترجمان" اسی زبان میں چھپے اس وقت نوجوان عثمانی ترک عربی اور فارسی الفاظ سے پاک کر رہے تھے، نکلتا تھا۔ یہ زبان گو کریمیا والوں کے لئے تو ایک حد تک قابل فہم تھی لیکن وولگا اور یورال اور قازقستان اور وسط ایشیا کے ترکوں کے لئے اسے باقاعدہ پڑھے بغیر سمجھنا مشکل تھا۔ اس لئے گسپرنسکی تمام ترکوں کے لئے جس لسانی وحدت کے حامی تھے، وہ وجود میں نہ آسکی۔

اسلامی اور ترکی اتحاد کے ساتھ ساتھ اسماعیل بے گسپرنسکی روسی حکومت اور روسیوں سے بھی دوستانہ تعلقات رکھنے کے حق میں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ روس کو ترکی اور ایران سے اچھے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ بلکہ وہ

یہ بھی سوچتے تھے کہ آئندہ تاریخ تمام ترکوں کو اس طرف لے جاسکتی ہے کہ وہ روس کے ساتھ مل کر ایک ہی نظام میں رہیں۔ گسپرنسکی کی زیادہ تر توجہ تعلیم کی طرف رہی۔ انہوں نے خود ایک اصلاح شدہ نظام تعلیم کا مدرسہ قائم کیا۔ جو بعد میں نئے طریقۂ تعلیم یعنی "اصول جدید" کے مدارس کے لئے نمونہ بن گیا۔ "اصول جدید" ترقی پسند تاتاری مسلمین کا نعرہ تھا اور اسی مناسبت سے انہیں "جدیدیین" کہا جانے لگا۔ ان نئے قسم کے مدارس میں عربی پڑھانے کا نیا طریقہ رائج کیا گیا۔ اور اگرچہ ان مدارس میں قرآن مجید اور فقہ کی تعلیم بحالہ جاری رہی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ بھی شامل نصاب کیا گیا۔

آگے چل کر "اصول جدید" کے یہ مدارس آہستہ آہستہ پرانی روایات سے الگ ہوتے گئے۔ اور ان میں قدیم مذہبی فضا کی جگہ جدید سیکولر (غیر مذہبی) فضا پیدا ہونے لگی۔ اور یہی مسئلہ وجہ نزاع بن گیا پرانوں جنہیں "قدیمین" کہتے تھے اور "اصول جدید" کے حامیوں یعنی "جدیدیین" میں لیکن "اصول جدید" کے مدارس نے بڑی سرعت سے ترقی کی، چنانچہ ۱۹۱۴ء میں کوئی پانچ ہزار کے قریب تاتاری اور بعض دوسرے مدارس میں یہ طریقہ رائج ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس وسط ایشیا کا کیشیا اور وولگا یورال کے بعض قدامت پسند مدارس میں حسب دستور پرانا طریقۂ تعلیم ہی رائج رہا۔ مختصراً تاتاری معاشرے نے گسپرنسکی کی اصلاحات کو بہت حد تک قبول کر لیا، اور اس کے بورژوائی طبقے کا اس میں فی الحقیقت فائدہ بھی تھا، بیسویں صدی کے اوائل میں تاتاری دانشوروں کا کافی زور بڑھ گیا۔ اور ان کا مرکزی شہر قازان اپنی کثیر التعداد درس گاہوں، دار الاشاعتوں اور زبردست عقلی سرگرمیوں کی وجہ سے دنیائے اسلام کے چار علمی و ثقافتی مرکزوں میں سے ایک شمار ہونے لگا۔ اگرچہ تاتاریوں کی اکثریت پہلے کی طرح مذہبی معاملات میں بڑی راسخ رہی، لیکن سیاسی اور سماجی فکر و نظر کے اعتبار سے وہ بخارا اور دوسرے روایتی مسلم افکار کے مراکز کے بجائے ماسکو، پیٹرز برگ، استنبول اور ایک حد تک پیرس کے زیر اثر آ گئی۔

قومی جدوجہد کا آغاز

روسی ترکوں میں قومی جدوجہد کا آغاز پہلے پہل دراصل ۱۹۰۵ء کے بعد ہی ہو سکا، اس سے پہلے تاتاری "جدیدیین" کی تمام تر سرگرمیاں صرف ثقافتی و مذہبی نوعیت کی تھیں۔ ۱۹۰۵ء میں ایک پرجوش نوجوان تاتاری لبرل کو جو اشتراکی پروپیگنڈے کے زیر اثر تاتاری معاشرے میں بھی طبقاتی جدوجہد اور داخلی تنازعات کے خواب دیکھنے لگا تھا، اسماعیل بے گسپرنسکی نے کہا تھا۔ "عزیز من! تم ابھی ناتجربہ کار ہو، اس لئے تم اصلاحات پر اتنے ریجھے ہوئے ہو..... وہ لوگ جن کی کوئی ثقافت نہ ہو، ان کے پاس صنعتیں کہاں سے آئیں گی، اور صنعتوں کے بغیر داخلی تنازعات نہیں ہو سکتے۔ ہمارے پیش نظر اس وقت اپنی ثقافت کی

تعبیر ہے:

لیکن وہ تاتاری اور آذربائیجانی نسل جس نے ۱۸۹۰ء میں سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا تھا، وہ زیادہ عرصے تک انتظار کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ چنانچہ اسی میں سے ترک قوم پرستی کی تحریک کی نئی قیادت ابھری۔ اس میں سب سے پیش پیش ایک صاحب رشید ابراگیموف تھے، جو محکمہ امور مذہبیہ میں قاضی رہ چکے تھے۔ آپ ترک وطن کرکے استنبول گئے، اور وہاں روس کے خلاف ایک پمفلٹ شائع کیا۔ ۱۹۰۴ء میں ترکی سے وہ واپس روس بھیج دیئے گئے، جہاں آکر انہوں نے "آئینہ" کے نام سے ایک رسالہ نکالا، جو روسی ترکوں کے اتحاد کا نقیب تھا۔ اسی سال ایک اور ترک اہل قلم علی کمال کے قاہرہ سے شائع ہونے والے ایک اخبار "ترک" میں ایک مضمون چھپا، جس کے ترکیت اور ترک قومی تحریک کے آئندہ ارتقا پر بڑے دوررس اثرات پڑے۔ مضمون نگار ایک تاتاری دولت مند صنعت کار کا ایک صحافی نوجوان لڑکا یوسف نامی تھا۔ اس نے لکھا کہ اس دور میں جب کہ مسلمان ملکوں میں سیکولرزم آرہا ہے، جہاں جمال الدین افغانی اور کسپرنسکی کے پان اسلامزم کے خیالات فرسودہ ہوچکے ہیں، وہاں عثمانی ترک سلطنت کے مختلف المذاہب اور مختلف النسل باشندوں پر مشتمل ایک متحدہ وفاقی عثمانی قومیت کی تعمیر بھی نہیں ہوسکے گی۔ کیونکہ ترکی سلطنت کے ان مسیحی اور مسلمان ہر دو مذہب کے باشندوں میں قومی تحریکیں ابھر رہی ہیں، ان دونوں نظریوں کے خلاف اس مضمون نگار نے یہ خیال پیش کیا کہ عثمانی ترک سلطنت اور روسی سلطنت کے تمام ترکوں کو سیاسی طور پر متحد کیا جائے، اور ان کے ساتھ اردگرد کے دوسرے ملکوں میں جو ترکی اقلیتیں ہیں، وہ بھی شامل کی جائیں۔ اس نئے سیاسی عقیدے کو "ترکزم" یا "پان ترکزم" کا نام دیا گیا۔ ظاہر ہے یہ نظریہ کافی خطرناک تھا، کیونکہ اس کی سب سے پہلی زد تو روس پر پڑتی تھی۔ اس سلسلے میں مضمون نگار کی یہ رائے تھی کہ روس کی مخالفت کو اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ طاقتیں جو زار روس کی سلطنت کے خلاف ہیں، ان سے اتحاد کرلیا جائے۔ ایک "مشترک ترک قومی تحریک" کے نصب العین کے متعلق یہ پہلا بیان تھا جو قاہرہ کے اخبار "ترک" میں شائع ہوا۔ بہت جلد یہ نظریہ "پان ترکزم" کے لئے ایک ذہنی عقیدہ بن گیا۔ اور اس کے ترکوں کے افکار اور رجحانات کے ارتقا پر بڑے گہرے اور پائدار اثرات پڑے۔ بعض اور روسی ترک اخبار نویسوں نے جو روس سے ہجرت کرکے دوسرے ملکوں میں آگئے تھے، اس زمانے میں ان خیالات کی تائید کی۔

۱۹۰۵ء میں سلطنت روس میں جو عام انقلابی جدوجہد ہوئی، اس کے نتیجے میں روس کے ترک مہاجر دوسرے ملکوں سے واپس وطن آگئے، اور اب ان کی سرگرمیاں اندرون روس شروع ہوگئیں۔ اوائل مارچ ۱۹۰۵ء میں کوئی اسّی تاتاری صنعت کار، ایڈوکیٹ، مذہبی اور سماجی رہنما، معلم اور تاجر قازان میں

جمع ہوئے اور انہوں نے "آل روسی مسلم کانفرنس" بلانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد اس کانفرنس کے باقاعدہ اجلاس ہونے لگے، ان میں روسی ترکوں کے حقوق کے متعلق اہم فیصلے کئے جاتے۔ اسی دوران میں روسی پارلیمنٹ (ڈوما) کے انتخابات ہوئے، جن میں ترک نمائندے بھی منتخب کئے گئے۔ جب اس طرح سیاسی سیاسی جدوجہد کا آغاز ہوگیا تو روسی ترکوں میں مختلف سیاسی گروہ بھی ظہور پذیر ہونے لگے۔ ایک پارٹی "اتفاق" کے نام سے بنی۔ اور جو قدرے انتہا پسند تھے انہوں نے "تاتاری سوشلسٹ انقلابی" نام کا اپنا ایک گروہ بنایا۔ ایک چھوٹا سا گروہ سوشل ڈیموکریٹس[1] کا تھا۔ جس نے آگے چل کر تاتاری بالشویک گروپ کی شکل اختیار کی۔ جہاں تک روسی ترکوں میں سے دائیں بازو والوں کا تعلق ہے، ان میں ایک تو محکمہ امور مذہبیہ کے قدامت پسند علماء تھے دوسرے پیٹرز برگ کے مسلمان شرفاء۔ انہوں نے اپنی پارٹی کا نام "صراط مستقیم" رکھا، یہ لوگ روسیوں کے دائیں بازو سے تعاون کرتے تھے۔ اور "جدیدیین" کے مقابلے میں "قدیمین" کہلاتے تھے، ان کا اپنا اخبار بھی تھا۔ "قدیمین" کے روحانی رہنما ولی حضرت کو "جدیدیین" اور "اتفاق" پارٹی کے لیڈروں سے، جنہیں وہ ملحد اور خدا اور رسول صلعم کے دشمن سمجھتے تھے، اتنی سخت نفرت تھی کہ اس نے زار روس کی پولیس سے یہ مخبری کرنے سے بھی تامل نہ کیا کہ "اصول جدیدہ" کے ترک مدارس میں "پان ترکزم" کا پروپیگنڈہ ہوتا ہے (اس کی وجہ سے بعض مدارس بند کر دیئے گئے۔) ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد یہ سب رپورٹیں جو "صراطِ مستقیم" سے تعلق رکھنے والے قدامت پرست ملاؤں نے "اصول جدیدہ" والوں کے خلاف زار کی پولیس کو دی تھیں، شائع کر دی گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مُلّا ان ائمہ اور خطباء تک کو انقلابی سمجھتے تھے، جو جمعہ کی نمازوں میں عربی کی جگہ تاتاری زبان میں خطبہ دیتے تھے۔

قازقستان

قازقستان پر گو روسی تسلط کی ابتداء ۱۷۲۶ء میں ہوئی، لیکن ۱۸۶۴ء میں کہیں جا کر اس پر روس کا پورا قبضہ ہو سکا۔ گو قازقستان میں پہلے پہل اسلام ترکوں کے گروہ ازبکوں کے ذریعہ پہنچا تھا۔ لیکن قازقوں میں اسلامی زندگی اور اسلامی ثقافت کو فروغ روسی قبضے کے بعد وولگا یورال کے تاتاریوں کے ہاتھوں ہوا۔ قازقستان میں یہ تاتاری تاجروں اور روسی سلطنت کے اہل کاروں

---

[1] روس کے بالشویک اس وقت اسی نام کی پارٹی میں تھے۔ (مدیر)

کی حیثیت سے پہنچے تھے۔ قازقوں کا ایک طبقہ ان روسی دانشوروں سے بھی، جو ان کے ہاں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے، متاثر ہوا۔ قازقوں کے اس طبقے میں سے ایک شخص ولی خانوف (۱۸۳۵ء – ۱۸۶۵ء) نامی تھا۔ یہ ایک اعلیٰ قازق خاندان سے تھا، جسے براہ راست چنگیز خاں کی اولاد میں سے ہونے کا فخر تھا۔ اس نے روسی کیڈٹ اکیڈمی میں تعلیم پائی پھر وہ روس کی فوج میں داخل ہوا۔ اور بعد میں اس کی ایک جغرافیہ دان اور ماہر علم الانسان کی حیثیت سے شہرت ہوئی۔ ولی خانوف روسی افسروں اور مالدار قازقوں ہر دو سے اپنے غریب اور خانہ بدوش عوام کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے لئے وہ قازقوں میں تعلیم اور روسی اور یورپی ثقافت پھیلا کر ان کا ذہنی اور اقتصادی معیار بلند کرنے کا داعی تھا۔ ولی خانوف دولت مند قازق طبقہ اشراف کے خلاف تھا اس کا کہنا تھا کہ قبائلی نظام اور فرسودہ نام نہاد اسلامی ثقافت قازقوں کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اس ضمن میں وہ لکھتا ہے :- آج ماوراءالنہر (دریائے جیحوں اور دریائے سیحوں کا دوابہ) میں جہالت اور افلاس کا دور دورہ ہے۔ سمرقند، تاشقند، فرغانہ، خیوا اور بخارا کی شہرۂ آفاق لائبریریاں اور سمرقند کی تاریخی رصدگاہ تاتاریوں (یہاں مراد چنگیز خاں اور ہلاکو کے دور کے منگول ہیں) کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے تباہ ہو چکی ہیں۔ اور اب بخارا کی عقلیت دشمنی اور رجعت پرستی کا یہ حال ہے وہاں سوائے مذہب میں اپنے خاص فرقے کے ہر چیز مردود ہے اور تو اور اپنی ......عظیم تاریخی یادگاروں کو اس بنا پر برا بھلا کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ کی تخلیقی قوت کا مقابلہ کیا گیا ہے[1]۔ ولی خانوف تاتاری ملاؤں کے بھی خلاف تھا[2]۔ اور وہ اسلامی دینی مدرسوں کے بجائے اپنے خانہ بدوش قازق عوام کے لئے روسی قازقی سکول چاہتا تھا۔ بدقسمتی سے اس کی عمر نے وفا نہ کی ایک تو سخت دماغی محنت اور دوسرے روس کی سخت سردی نے اس کی صحت تباہ کردی اور وہ تیس سال ہی کی عمر میں انتقال کر گیا۔

---

[1] اشارہ ہے تصویر کشی کی حرمت کے بارے میں اس "شرعی" دلیل کی طرف کہ جانداروں کی شبیہ بنانا گویا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مقابلہ کرنا ہے۔ (مدیر)

[2] دولگا یورال کا تاتاری علاقہ سب سے پہلے روسی تسلط میں آیا۔ وہاں سے جب روسی شمال مشرقی اور جنوب کے دوسرے ترک علاقوں کی طرف بڑھے، تو دولگا یورال کے تاتاری بھی ان کے پیچھے پیچھے ان علاقوں میں آئے، یہ یا تو روسی حکومت کے اہل کار تھے یا تاجر یا ان کا تعلق مذہبی طبقے اور مذہبی تعلیم پھیلانے والوں سے تھا۔ (مدیر)

ملی خانوف کے دو ہم نوا اور تھے، ایک شاعر اباتی اور دوسرا ایک معلم الت بن سربان' یہ دونوں بھی اس کی طرح روسی دانشوروں سے متاثر ہوئے' بات یہ ہے کہ ایک تو قازقوں کی اکثریت خانہ بدوش تھی، دوسرے وولگا یورال کے تاتاریوں سے جغرافیائی لحاظ سے دور ہونے کی وجہ سے ان کی ترکی زبان قازقوں کی ترکی سے الگ تھی، پھر وہاں اسلامی معاشرت بھی زیادہ نہ پھیلی تھی، اس لئے قازق بالعموم آل روسی مسلم سیاسی و ثقافتی سرگرمیوں سے بے تعلق رہے -

وسط ایشیا کے ترک علاقے

وسط ایشیا کو روس نے ۱۸۶۵ء - ۱۸۷۶ء میں فتح کیا۔ روسی سلطنت کے کسی مسلم علاقے میں یورپی ثقافت اور نئے حریت پسندانہ خیالات کی اتنی سخت مخالفت نہیں ہوئی، جتنی کہ وسط ایشیا میں ہوئی۔ اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہاں کی آبادی ابھی انسانی ارتقا کی ابتدائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اور اس کے لئے ان نئے ترقی یافتہ خیالات کو اپنانا مشکل تھا۔ بلکہ اس کا سبب تھا ان کی زمانہ ماضی کی شاندار تہذیب و ثقافت' جواب بے جان اور فرسودہ ہو چکی تھی۔ وسط ایشیائی تہذیب کا ایک مستند ترین مورخ لکھتا ہے :- "قرون وسطے کے مقابلے میں انیسویں صدی کا ترکستان دنیائے اسلام کے سب سے پست ملکوں میں ہے"۔ وسط ایشیا کی یہ سرزمین جس نے صدیوں پہلے دنیا کو الفارابی اور ابن سینا جیسے عہد وسطیٰ کے عظیم الشان مفکر' البیرونی اور الخوارزمی جیسے ممتاز سائنس داں' اور رودکی اور نوائی جیسے عظیم شاعر دیئے' وہ سولہویں صدی کے اوائل ہی سے ثقافتی اور اقتصادی طور پر فرسودگی کا شکار ہونا شروع ہو گئی تھی جب مشرق بعید سے براہ راست سمندر کے راستے تجارت ہونے لگی، اور چین اور ہندوستان کی براعظمی تجارت میں وسط ایشیا کے ان نخلستانوں کو جو اجارہ داری حاصل تھی' وہ ختم ہو گئی۔ تو ان لوگوں کی اقتصادی فارغ البالی کی عمارت ایک دم زمین پر آ رہی۔ تقریباً اسی زمانے میں ایران میں شیعہ حکومت برسر اقتدار آ گئی، اور اس کی وجہ سے اس حکومت کے بخارا اور سمرقند میں جو سنی مخالف تھے' ان کا بحیرہ روم کے اردگرد مشرق قریب کے ملکوں میں آباد مسلمانوں سے تعلقات منقطع ہو گئے۔ ایک تو وسط ایشیا جغرافیائی اعتبار سے یوں بھی دور افتادہ تھا' دوسرے وہ اس طرح بتدریج دنیائے اسلام سے زیادہ سے زیادہ علیحدہ ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں معنوی اور روحانی جمود غالب آتا چلا گیا۔

وسط ایشیا کے تہذیبی و ثقافتی زوال کے یہ اسباب کچھ کم نہ تھے کہ اس کے علاوہ وہاں ۱۰۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک خانہ بدوش ترک تاتاریوں کے مسلسل سیلاب آتے رہے جن سے وہاں کا تمام نظام

آب پاشی تہ و بالا ہوگیا، بڑے بڑے شہر تباہ ہوگئے۔ نخلستانوں کی مستقل آبادیوں کا بڑا حصہ مرکھپ گیا۔ اور ان کی جگہ نسبتاً کم تہذیب یافتہ خانہ بدوش آگئے خاص طور سے پندرھویں صدی کے اواخر میں ازبک جو ماوراء النہر میں ساڑھے تین سو سال سے سلط چلے آتے تھے، وسط ایشیا کی طرف بڑھے اور وہاں ان کا قبضہ ہوگیا۔ ازبک حکمراں خوانین اپنی روایتی معاشرت میں ہر تبدیلی اور اپنے سخت قسم کے جامد سنی مسلک سے ہر انحراف کی مخالفت کرتے تھے۔ چنانچہ عہد وسطیٰ کے فلسفے اور سائنس کی تعلیم ممنوع کردی گئی اور اس کی جگہ کٹر قسم کا علم کلام رائج ہوا، جس نے وسط ایشیائی ذہنی زندگی کو بالکل بے جان کردیا۔ اور آخرکار نتیجہ یہ نکلا کہ اس سرزمین کی تہذیب و ثقافت جامد ہوکر رہ گئی۔

بخارا

روس نے برطانیہ کی برہمی کے خیال سے وسط ایشیا کی طرف آہستہ آہستہ قدم بڑھائے تھے، اور وہاں بجائے براہِ راست حکومت کرنے کے مقامی خوانین کو ہی رہنے دیا تھا۔ اور یوں بھی وسط ایشیا کے معاملے میں روس کی شروع ہی سے وہاں کے باشندوں کی ثقافتی اور مذہبی زندگی میں کم سے کم عدم مداخلت کی پالیسی رہی۔ اسی طرح اسلامی دینی مدارس کے نظام کو بھی اس نے حسب سابق رہنے دیا۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق وسط ایشیا میں ۶ ہزار مکتب اور ۳۲۸ مدرسے تھے، جن میں مجموعی طالب علم دس لاکھ تھے۔ خان بخارا کی مملکت میں ۴۴۰ مکاتب اور ۱۳۲۰۰ مدرسوں میں کوئی بارہ لاکھ طالب علم تھے۔ ان مدارس میں زیادہ تر عام مذہبی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن نہ ان میں سائنس داخل نصاب تھی نہ "آرٹس" کے فنون، بلکہ تاریخ اسلام تک بھی نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود وسط ایشیا اور بالخصوص بخارا کے بہت سے مدرسے جیسا کہ میر عرب کا ایک مشہور مدرسہ تھا۔ اعلیٰ قسم کی مذہبی، فقہی اور علم کلام کی تعلیم دیتے تھے، اور ان کی انیسویں صدی تک پوری اسلامی دنیا میں سب سے بڑھ کر راسخ العقیدہ درسگاہوں کی حیثیت سے بڑی شہرت تھی۔

گو روسی ثقافتی اثرات کو مقامی آبادی میں پھیلانے کے لئے حکومت روس کی طرف سے وسط ایشیا میں جو روسی سکول کھولے گئے تھے، ان کی طرف مسلمان طالب علموں کو مرغوب کرنے کے لئے کافی کوششیں کی گئیں، لیکن مسلمان والدین اس کے لئے تیار نہ تھے کہ وہ اپنے بچوں کو عیسائی سکولوں میں بھیجیں حکومت کی جملہ مراعات کے باوجود ۱۹۱۲ء میں وسط ایشیا کے روسی ثانوی سکولوں میں کل ۴ ہزار طالب علموں میں سے مسلمان طلبا صرف ۱۹۰ تھے۔ البتہ ایک دوسری قسم کے سرکاری سکول جہاں

ابتدائی جماعتوں میں تو مقامی زبان میں اور اعلیٰ جماعتوں میں روسی میں تعلیم دی جاتی تھی، زیادہ کامیاب رہے۔ لیکن مقامی آبادی کی طرف سے ان کے راستے میں بھی طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جاتی تھیں۔ ۱۹۰۵ء میں وسط ایشیا کے مسلمانوں کی طرف سے حکومت روس سے جو مطالبات کئے گئے، ان میں سے ایک اہم مطالبہ یہ تھا کہ یہ دو لسانی سرکاری سکول بند کر دیئے جائیں اور دینی مکاتب سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کو ان سکولوں میں مزید تعلیم کے لئے جو وظائف دیئے جاتے ہیں، وہ نہ دیئے جائیں۔ بہرحال ان تمام رکاوٹوں کے باوجود پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء – ۱۹۱۸ء) سے کچھ پہلے ان سکولوں کی طرف مقامی آبادی کی زیادہ توجہ ہونے لگی تھی۔

انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں جب وسط ایشیا کے ترک علاقے سلطنت روس کی اقتصادی زندگی کا ایک لازمی جزو بن گئے[۱] تو قدرتاً ان پر نئے اثرات زیادہ پڑنے لگے۔ اس مرحلے پر ایک اور تاجک متوسط طبقہ، جسے آزادی پسند مسلم طالب علموں کی تائید حاصل تھی، آگے آتا ہے، اور ایک طرف جاگیرداروں اور قبائلی سرداروں اور دوسری طرف علماء کا معاشرے میں جو مقام تھا، اس پر فائز ہونے کی کوشش کرتا ہے، وسط ایشیا کے اس نئے رجحان کا اولین نمائندہ ایک بخاری سیاست دان اور شاعر احمد مخدوم دانش (۱۸۲۷ء – ۱۸۹۷ء) تھا۔ وہ امیر بخارا کے سفیر کے سیکرٹری کی حیثیت سے پیٹرز برگ گیا۔ اور وہاں وہ روسی سکولوں، بے پردہ عورتوں، کتابوں اور رسالوں کی کثرت، روسی دانشوروں اور لوگوں کے اعلیٰ معیار زندگی سے بڑا متاثر ہوا، جب وہ روسی دارالسلطنت سے واپس وطن لوٹا، تو وہ وسط ایشیا کا پہلا یورپیت اور مغربیت کا نقیب تھا۔ اپنی ایک کتاب میں وہ بخارا کے شاہی خاندان پر یوں برستا ہے:-

"امیر، وزیر، مذہبی طبقے اور اشراف سب ایک سے ہیں۔ اے قاری! تم خود ہی دیکھو۔ یہ امیر، جو پارسا اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کا سربراہ اور تمہارا سلطان ہے کس قماش کا آدمی ہے۔ تم اگر اپنے گرد و پیش دیکھو گے، تو تم

---

[۱] جب روس میں صنعتی کارخانے قائم ہوئے، تو ان کی تیار کردہ مصنوعات ان ترک علاقوں میں پہنچنے لگیں۔ اور یہ علاقے روسی صنعت کی منڈیاں بن گئیں اب سیاسی اثر و نفوذ کے ساتھ ساتھ روس کا اقتصادی اثر و نفوذ بھی وہاں غالب آنے لگا۔ (مدیر)

ایک عیاش اور مستبد و جابر پاؤ گے۔ اس کا قاضی القضاۃ پیٹو اور منافق ہے۔ ایسے ہی اس کا محتسب اور پولیس کا اعلیٰ افسر ہے۔ آخر الذکر ہر وقت پیئے رہتا ہے۔ وہ جواری ہے اور چوروں اور ڈاکوؤں کا سرپرست ہے۔"

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں دانش کے یہی الفاظ تھے، جنہوں نے امیر بخارا کے خلاف آزادی پسند (لبرل) بخاریوں کی جدوجہد میں سب سے موثر دلیل کا کام دیا۔

احمد مخدوم دانش کے بعد اس کے شاگردوں نے اس مہم کو جاری رکھا، اور جب حکومت بخارا کی طرف سے ان پر سختیاں شروع ہوئیں۔ تو ان میں سے اکثر ترکِ وطن کر گئے، عین اسی زمانے میں کریمیا اور وولگا یورال کے تاتاریوں کے اثرات ازبکوں اور تاجکوں تک پہنچے اور ان نواح میں بھی اسماعیل بے گسپرنسکی کے نئے آزادانہ (لبرل) خیالات کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ مسلم لبرل تحریک کے اولین علمبرداروں اور قدامت پسند اکثریت میں سخت ٹکر ہوئی یہ لبرل نئے طریقہ تعلیم اور پرانی روایتی معاشرت میں تبدیلیوں کو مسلم معاشرے کو تباہی سے بچانے کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے، اور اس کے برعکس قدامت پسند ان تبدیلیوں کو مسلمانوں کی خاندانی زندگی اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے تھے۔

جدیدیین اور قدیمین میں ٹکر

ان دو مخالف نظریوں کے تصادم کا سب سے نمایاں مظاہرہ سکولوں کے بارے میں ہوا۔ ۱۸۹۳ء میں اسماعیل بے گسپرنسکی خود وسط ایشیا آئے، اور ان کے زیر اثر وہاں نئے قسم کے اصلاح شدہ مدارس کھلنے لگے اور لبرل تحریک نے بھی زور پکڑنا شروع کیا۔ تاشقند جو روسی وسط ایشیا کا انتظامی اور ثقافتی مرکز تھا لبرل تحریک کے حامیوں کا محور بن گیا۔ جب خاص روس میں انقلابی سرگرمیاں عام ہوئیں۔ تو وسط ایشیا کے لبرل مسلمان لیڈروں کے بھی حوصلے بڑھے اور تاشقند سے "جدیدیین" نے متعدد رسالے نکالنے شروع کئے جن میں "خورشید" "شہرت" "ایشیا" اور "صدائے ترکستان" خاص طور پر نمایاں تھے۔ تاشقند کے بعد لبرل تحریک کا دوسرا اہم مرکز سمرقند تھا۔ اسی طرح فرغانہ میں بھی ترک لبرل تحریک کے قدم پہنچے۔ اور وہاں سے بھی "جدیدیین" نے اپنے رسالے نکالے ترکوں کی سب صحافتی سرگرمیاں ۱۹۰۵ء میں روسی آئین کے نفاذ کے بعد شروع ہوئی تھیں ۱۹۰۹ء میں "جدیدیین" نے اپنی تحریک کو مزید تقویت دینے کے لئے ایک ثقافتی سوسائٹی قائم کی، جو

لبرل صحافت، کو ترقی دینے اور تعلیمی اصلاحات کو مزید تقویت دینے کے لئے ایک ثقافتی سوسائٹی کی نشرواشاعت کے لئے وقف تھی۔ یہ سوسائٹی روسی حکام کی اجازت سے وجود میں آئی تھی۔

لیکن ایک وقت آیا کہ روس کے سرکاری حلقوں میں ترکوں کی اس لبرل تحریک سے خدشے پیدا ہونے لگے۔ اور انہوں نے اس کے خلاف اقدامات کرنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ وسط ایشیا میں شائع ہونے والے دولگا یورال کے تاتاریوں کے اخبارات اور مدارس بند کئے جانے لگے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک طرف ازبکوں اور تاجکوں اور دوسری طرف دولگا یورال کے تاتاریوں میں جو دراصل لبرل تحریک کے ہراول تھے، روسی حکام کی طرف سے اختلاف و منافرت کے بیج بونے کی پالیسی شروع کی گئی۔ "جدیدیین" کے اس بڑھتے ہوئے اثر کی مخالفت کے لئے حکومت روس نے قدامت پسند مسلمانوں کی تائید حاصل کی۔ اور اب اس کی نظر عنایت خاص طور پر قدامت پسند مسلم مدارس و علماء کی طرف ہو گئی۔ یہ قدامت پسند گروہ اتفاق سے "جدیدیین" کی اصلاحی سرگرمیوں کو روسی حکومت سے بھی زیادہ ناپسند کرتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں تاشقند کے اخبار "ترقی" نے قدامت پسند مدارس اور ان کے استادوں پر اعتراض کیا، تو اس سے قدامت پسند اور "قدیمین" اتنے بگڑے کہ تاشقند کے علماء کے ایک اجتماع میں اخبار مذکور کے ایڈیٹروں اور حامیوں کو کافر قرار دیا گیا۔ اور وہ مساجد سے نکال دیئے گئے۔

بخارا اور خیوا میں جو براہ راست حکومت روس کے زیر انتظام نہ تھے، "جدیدیین" کے لئے حالات اور بھی زیادہ ناسازگار تھے۔ بخارا میں تو خاص طور سے علماء کا غیر محدود اثر و نفوذ تھا۔ اور بخارا کے فرمانروا لبرل خیالات سے مطلق کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ لیکن ان کی مخالفت کے باوجود دولگا کے تاتاریوں کی کوششوں سے اور مقامی روسی حکام کی سرپرستی میں بخارا میں بھی بعض نئے سکول قائم ہو گئے۔ اس ڈر سے کہ نئے سکولوں کی کامیابی کی بخارا کے قدامت پسند مدارس پر زد پڑے گی، علماء نے ان سکولوں کو بند کرانے کے لئے ایسی متعصبانہ مذہبی فضا پیدا کر دی کہ ۱۹۱۰ء میں سخت قسم کے سنی شیعہ فسادات ہو گئے۔ جنہیں روسی فوج نے آ کر دبایا۔ گو بخارا کے امیر اور وہاں کے علماء کو دوسرے علاقوں کے روسی و مسلم سیاسی حلقوں کے دباؤ کے تحت وقتی طور پر جھکنا پڑا تھا۔ اور بخارا میں بعض نئے سکول کھل گئے تھے۔

لیکن جونہی ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم چھڑی، امیر بخارا نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور دو سال قبل اس نے بخاری لبرلوں کو جو مراعات دی تھیں، وہ اس نے واپس لے لیں۔ اور علماء کے مطالبے کے سامنے "سر تسلیم خم" کرتے ہوئے تمام نئے سکول بند کر دیئے۔ ان سکولوں کے بہت سے استاد مشرقی بخارا کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے۔ اور بعض خاص روس بھاگ گئے۔ لیکن لبرل خیالات اور نئے طریقۂ تعلیم کی جڑیں ذہن میں جم چکی تھیں، اس سے اس کے اثرات بالکل زائل نہ کئے جا سکے، اور نئی روشنی کا عمل برابر جاری رہا۔

دوسرے روسی وسطی ایشیائی صوبوں کی طرح بخارا میں بھی تعلیمی اصلاحات کی تحریک کے بعد سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ ان میں پیش پیش ایک تو بخارا کے دولت مند تاجر خاندان تھے، جو بعد میں امیر بخارا کے خلاف بالشویکوں کے حلیف بنے، دوسرے لبرل تحریک کو دینی مدارس کے محروم و مایوس طالب علموں میں سے بھی استاد اور پروپیگنڈا کرنے والے ملے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک کے اکثر لیڈر خود بخارا کے ان دینی مدرسوں کے فارغ التحصیل تھے جہاں کی علم الکلام کی بحثوں کی مشق و تربیت نے انہیں جدلیاتی اور نظریاتی انداز میں غور و فکر کرنے کے قابل بنا دیا تھا۔

عبدالرؤف فطرت

بخارا کے ان لبرلوں کا مسلمہ نظریاتی لیڈر عبدالرؤف فطرت تھا۔ بخارا کے دینی مدارس میں تعلیم پانے کے بعد اسے لبرل "جدیدیین" کے دولتمند حامیوں نے مزید تعلیم کے لئے قسطنطنیہ بھیجا۔ وہاں اتحاد و ترقی کے نوجوان عثمانی ترکوں سے اس کا ربط ضبط ہوا۔ اس کی پہلی کتاب "مناظرہ" بخارا کے "جدیدیین" کا ایک لحاظ سے منشور بن گئی۔ (مسلسل)

لہ سلطان عبدالحمید کی آمریت کے خلاف عثمانی ترکوں میں اتحاد و ترقی کے نام سے ایک تحریک چل رہی تھی۔ جس کے حامیوں کو نوجوان ترک کہا جاتا تھا۔ نوجوان ترک آخر میں کامیاب ہوئے۔ سلطان عبدالحمید ۱۹۰۸ء میں معزول کر دیا گیا۔ اور نوجوان ترکوں نے سلطان کے ماتحت ایک دستوری حکومت بنا لی۔

(مدیر)